درسِ پردہ

حضرت مہذب لکھنوی

پردے کے مخالف ہیں زمانے والے
نسواں کو ہیں بازاروں میں لانے والے
کیوں روئیں گے بے پردگیٔ زینبؑ پر
اسلام میں پردے کے اٹھانے والے

دل خلق کا مسرور کیا جاتا ہے
تفریح سے غم دور کیا جاتا ہے
او شوق سے پردے کے اٹھانے والے
فطرت کو بھی مجبور کیا جاتا ہے

اغیار میں اور تجھ میں پہچان نہیں
ایمان کا دعویٰ ہے پر ایمان نہیں
اسلام کی روح ہے بقائے پردہ
گر تو ہے مخالف تو مسلمان نہیں

منظور جو تھا رب علیٰ کو پردہ
بندوں کو دیا حکم سدا ہو پردہ
محبوب سے کیں راز کی باتیں سرِ عرش
پردہ ہی رہا پھر بھی اُٹھا گو پردہ

دولت سے حیائے شیخ اور شاب گئی
اسلام میں جو چیز تھی نایاب گئی
دیکھی نسواں نے جا کے بازار کی شکل
موتی سچے رہے مگر آب گئی

وجود و عدم

امتیاز الشعراء مولانا سید محمد جعفر قدسیؔ جائسی

جن شہنشاہوں کے سکّے تھے جمے
ہوگیا پیکِ اجل ان کا حریف
جو نہ سنتے تھے کسی کا دُکھڑا
اب کہیں کس سے وہ اپنی تکلیف
جن سے تھی رونق بزمِ ہستی
اُٹھ گئے ہوکے وہی زار ونحیف
خاک پر زیر زمیں ہے اکبر
اب کہاں تخت پئے جسم ضعیف
نہ مصاحب ہیں نہ خدّام ادب
گوشۂ قبر میں وحشت ہے ردیف
اب جہانگیر، جہاں گیر نہیں
رکھتے ہیں ملک عدم میں تشریف
راز ہستی کے عیاں کرتا ہے
نظم کا جلوۂ تخئیل لطیف
بہر اربابِ نظر اے قدسیؔ
درس عبرت ہے تمہاری تصنیف